Alsera.T

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی

مقامِ محمد ﷺ

قرآنِ کریم کے آئینے میں

(۵)

عبدِ کامل، ہادیٔ اعظم، مطاع، اتباعِ رسول

عبادالرحمٰن کی مغفرت کا راستہ عبدکامل ﷺ کا اتباع ہے کیونکہ یہی ''عبدیت'' ہدایت ہے۔ اور ہدایت اتباع کے ذریعہ ہی مل سکتی ہے۔

قرآنِ حکیم سے جو حقیقت ہمارے سامنے اُبھر کر آتی ہے وہ یہ کہ ہدایت محض اللہ کی توفیق سے ملتی ہے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے نبی اکرم ﷺ سے اللہ جل جلالہ نے کئی موقعوں پر ارشاد کیا ہے کہ گمراہوں کے غم میں آپ اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں، ان کی ہدایت کی فکر میں نہ گھلیں۔ آپ ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں۔ آپ کا فریضہ تو اللہ کی وحی اور پیغام کو ان تک پہنچا دینا ہے اور بس۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد

یوں ہدایت کا سرچشمہ ذاتِ الٰہی ہے۔اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے رسول اور نبی بھیجے جنہوں نے انسانی معاشروں میں ہدایت کے مکمل عملی نمونے پیش فرمائے۔اور ان انبیا کے ساتھ کتابیں اور وحی بھیجی جن میں انسانی زندگی اور معاملات کے لئے دائمی اقدار موجود ہیں۔اللہ تعالےٰ نے یہ قدریں اور احکام نہایت واضح طور پر انسان کو عطا کیئے اور یہ الگ بات ہے کہ قوموں اور انسانی گروہوں نے ان پیغامات کو اپنی تاویل اور حجت سے مسخ کیا اور مفاہیم کتب کو بدل دیا،لیکن انبیائے کرام کی مثالوں اور زندگی نے منشائے الٰہی کی عملی تفسیر پیش کی۔نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ نے قرآنی تعلیمات و اقدار کو حیاتِ انسانی سے ہم آہنگ کردیا اور ہمیشہ کے لئے ،آج بھی آپ ﷺ کے اقوال اور اعمال سے وحی الٰہی کا مفہوم ہم پر واضح ہوتا ہےاور اس طرح کہ آپ ﷺ کی سنت ہمارے لئے حجت ہے۔

ھدیٰ کے معانی ہیں واضح اور نمایاں ہونا،آگے ہونا،اسی میں راہ دکھانے کے لئے دوسروں کے آگے چلنے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ھادا ور ھادی وہ ہے جو کسی منزل کی طرف لوگوں کو لے جائے اور راہ دکھانے کے لئے ان کے آگے آگے چلے ھادیا ہادی کسی چیز کے بلند ترین اور نمایاں ترین حصے کو کہتے ہیں جو اس چیز کے آگے ہو اور دیکھنے والوں کو دور سے دکھائی دے۔اللہ تعالےٰ کی ذات کائنات کی ہر چیز میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔یوں یہ دنیا اس ذات کی گواہی بن جاتی ہے۔

اِن گواہیوں میں سب سے نمایاں،سب سے مستحکم گواہی وحی الٰہی ہےاور یہ وحی رسولوں کے ذریعہ انسانوں تک پہنچتی ہے۔یہ رسول لوگوں کو ان کی غلط روش حیات پر تنبیہ کرتے ہیں۔رسول اکرام ﷺ یہی فریضہ انجام دے رہے تھے،اور قریش ان سے معجزوں اور ’’آیات‘‘ کا مطالبہ کرتے تھے یہ کافروں کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہےاور یہی لوگ آیات کو دیکھ کر ان سے منہ پھیرتے رہے ہیں اور یوں جیسے انہوں نے کچھ بھی نہ دیکھا ہو۔یا پھر اپنی پسند کے معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ (۱)

’’اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی آیت (اور نشانی) کیوں نہیں نازل ہوئی۔بیشک آپ نذیر اور ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہادی اور راہ بتانے والا آیا ہے‘‘۔

اس آیت سے ہادی کا مفہوم، انذار کا مقصد اور اللہ سے رسول کا رشتہ، ہر چیز واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ کافروں کو اپنی زندگی کی تعمیر اور اس کو بامعنی بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ نبی سے کسی غیر معمولی بات کا طالبہ کرتے تا کہ اس کے نظارے سے اپنا جی خوش کریں۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے جو غیر معمولی "واقعہ" رونما ہو رہا تھا اس پر ان کا دھیان ہی نہ جاتا۔ وہ یہ نہ دیکھتے کہ اس رسول کی دعوت قبول کرنے والوں کی زندگی میں کیسی عظیم اور غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں اور ہو رہی تھیں۔ وہ کس درجہ اور کس حد تک بدل چکے تھے۔ ظلم کی جگہ وہ انصاف پر عامل ہو گئے ظلم اور ظلمت کی جگہ وہ عدل اور روشنی کا استعارہ بن گئے تھے، حق تلفی کی جگہ وہ لوگوں کو ان کے حقوق دے رہے تھے بلکہ ان میں ان کے حقوق کا شعور پیدا کر رہے تھے، وہ جہل اور غرور کی جگہ انکسار او ر اخلاق کی تصویر بن گئے تھے۔ یہ لوگ اس معجزے سے آنکھ چُرا رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کی صورت میں ان کی نظروں کے سامنے تھا اور اس سے پہلے بھی اہل کفر کا یہی انداز اپنے انبیاء کے ساتھ رہا تھا۔ یہ کافر دنیا کے معاملات میں تو دلائل و براہین کے قائل تھے، مگر دین اور رسول کے سلسلے میں کسی محیر العقول تماشے کے متمنی تھے۔ اللہ تعالے نے اس جگہ کفار کے اس طرز عمل پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا بلکہ اپنے رسول سے ایک بات کہی۔ محکم، مستحکم۔ ایسی بات جسے اس کا رسول سب سے زیادہ جانتا تھا اور جس پر اُس کی ذات شاہد تھی "تم تو محض خبردار کرنے والے ہو ،اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ

نبی اکرم ﷺ اور دوسرے تمام انبیائے کرام علیہم السلام نذیر و منذر رہے۔ لوگوں کے قلوب کو دین کی طرف موڑ دینا اللہ تعالے کا کام تھا۔ انبیاء رُسل اس کائنات میں اس لئے تشریف لائے کہ وہ انسانوں کا رُخ اللہ تعالے کی طرف موڑ دیں اور طاعتِ الٰہی کو انسانوں کا دستورِ حیات بنا دیں۔ مطاعِ اول اور مطاعِ حقیقی اللہ تعالے کی ذات ہے، لیکن اللہ تعالے کی اطاعت رسولوں کے حوالے اور ان کی زندگی کے نمونوں کی روشنی ہی سے کی جا سکتی ہے، اسی لئے طاعتِ الٰہی اور طاعتِ رسول کا ذکر قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر ایک ساتھ ملتا ہے اور اطاعتِ رسول کا ذکر ایک مستقل حکم کے طور پر بھی کیا گیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا
اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (۲)

"اور ہم نے ہر رسول اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے ۔اور جب انہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو اگر یہ آپ کے پاس آ جاتے ، پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی اِن کے لئے استغفار کرتے (اور اِن کے لئے معافی چاہتے)تو یقیناً اللہ تعالےٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ورحیم پاتے"

یہ آیت ایک خطبے کا حصہ ہے جو آیت ۵۹ سے شروع ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان حاکموں کی جو تم میں سے ہوں اور پھر اگر کسی بات میں کوئی تنازع ہو تو اُسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیرو"

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَ مْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَا زَعْتُمْ فِیْ شَیْ ءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّ سُوْلِ (۳)

اولی الامر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے اور "منکم" کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ صاحبِ ایمان حاکم بھی اللہ اور اُس کے رسول کے مطیع ہوں گے، اور اگر کبھی حاکم کا کوئی عمل فرمانِ الٰہی اور سنت رسول ﷺ کے مطابق نہ ہو تو ایسی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی فریقین رجوع کریں گے اور جو بات کتاب وسنت کے مطابقت ہوگی اسے مان لیں گے ۔اسی آیت میں آگے بڑھ کر اس طرزِ عمل کو ایمان کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔

اِنْ کُنْتُمْ تُؤْ مِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰ خِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلاًo (۴)

"اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔یہی خیر اور اچھی بات ہے اور اس کا نجام بہت بہتر ہے"

ایک مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اطاعتِ الٰہی سے عبارت ہے اور اس اطاعت کی کامل ترین مثال اسوۂ حسنہ نبوی ہے، اسی لئے اتباعِ خداوندی کی عملی صورت اتباعِ رسول ہے ۔اس نکتے پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا سکتا ہے مگر یہ حقیقت سرورِ کائنات، نبی الرحمۃ ﷺ کی ایک حدیث میں جیسے مجسم ہو کر ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔

مَنْ اطاعنی فقد اطاع اللہ وَمَنْ عصانی فقد عصی اللہ (۵)

"جس نے میری اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اعاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی"

مسلم حاکموں اور اربابِ حل وعقد کی اطاعت یا ان کے احکام سے روگردانی کا انحصار، احکامِ الٰہی اور فرمان نبوی کے بارے میں اُن کے طرزِ عمل پر ہے۔ یہاں یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ حکمرانوں کے بعض اعمال اگر ناپسندیدہ ہیں لیکن وہ معصیت کے دائرے میں نہیں آتے تو انکے خلاف خروج یا بغاوت نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس سے اسلامی ریاست اور معاشرے کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ ہاں یہ لازم ہے کہ حکمران، اللہ کی حاکمیت کے سامنے سر جھکاتے ہوں، سنتِ رسول اکرم ﷺ کو حجت مانتے ہوں اور مسلمانوں کو معصیت کا حکم نہ دیں۔

درمیانی آیات کے مطالعے سے یہ نکتہ اور واضح ہو جائے گا اس لئے ہم آیات ۶۰ تا ۶۳ بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تا کہ پس منظر اُبھر کر سامنے آجائے۔ ان آیات کی شانِ نزول بھی پیش کی جارہی ہے۔ یہاں یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ قرآنی احکام شانِ نزول کے پابند نہیں، لیکن شانِ نزول سے وہ واقعہ یا وہ محرکات سامنے آجاتے ہیں جو کسی حکم، آیت یا آیات کے نزول کا سبب ہیں۔ انسانی زندگی میں ایسا تسلسل ہے کہ ویسے ہی واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں یا ہوتے رہیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ٥ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ٥ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۖ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ٥ (۶)

"اے نبی ﷺ! کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس (

کتاب) پر ایمان لائے جو آپ کی طرف نازل ہوئی اور جو کچھ آپ سے پہلے نازل ہوا، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے اور تصفیئے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ طاغوت کو نہ ماننے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور شیطان انہیں بہکا کر گمراہی کے راستوں پر بہت دور لے جانا چاہتا ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز (ہدایت) کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھتے ہو کہ یہ منافق تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں اور گریز کرتے ہیں۔ اور جب اِن پر انہی کے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو تمہاری طرف قسم کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہم تو خیر و احسان اور بھلائی اور فریقین کے درمیان موافقت اور ملاپ چاہتے تھے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ ان سے تعرض نہ کرو (اِن سے اعراض برتو) اِن کو نصیحت کرو اور اِس طرح سمجھاؤ کہ بات اِن کے دل میں اتر جائے‘‘

ان آیات سے یہ نکتہ بہت واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ منافق اللہ کے رسول سے کتراتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ یہ خوف دامن گیر رہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان کے نفاق کی اطلاع ہو جائیگی۔ یہ صورت حال اب بھی آپ کو اپنے معاشرے میں نظر آجائے گی۔ ایسے منافق سیرت سرورکائنات ﷺ اور احادیث نبوی سے گریز کرتے ہیں اور حضرت ختم الرسل ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو مثال کے طور پر پیش کرنے سے اجتناب برتتے ہیں۔

ان آیات کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ بشر نامی ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کوئی نزاعی معاملہ پیدا ہو گیا۔ یہودی نے کہا کہ چلو چل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس بارے میں فیصلہ کرالیں۔ یہودی حق پر تھا اور بشر زیادتی اور ظلم کا مرتکب ہوا تھا وہ اپنے دل میں فراست و علم نبی ﷺ سے خائف تھا وہ معاملے کو کعب بن اشرف کے سامنے لے جانا چاہتا تھا جو یہودیوں کا ممتاز سردار اور سخت دشمن اسلام تھا، لیکن یہودی کے زور دینے پر بشر دربارِ نبوی میں حاضری پر آمادہ ہو گیا۔

نبی آخر الزماں ﷺ نے فریقین کے دعوے کو سنا، اس معاملے کی تحقیق فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہودی حق پر ہے اور بشر کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب بشر نے یہ چال

چلی کہ اس نے یہودی سے کہا کہ چل کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کریں۔ اس کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ حضرت عمر کفار پر شدید ہیں۔ وہ یہودی کے دعوے کو رد کر کے مجھے حق پر قرار دیں گے وہ یہ بھول گیا کہ فاروق اعظم کے کفار پر شدید ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کفر کے مقابل شدت برتتے ہیں۔ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ وہ کسی پر ظلم کر سکتے ہیں۔ فریقین بارگاہ فاروقی میں حاضر ہوئے اور یہودی نے اپنا معاملہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ محمد ﷺ اس کے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں مگر بشر مطمئن نہ ہوا اور اب معاملہ آپ کے سامنے لایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بشر سے پوچھا: کیا یہودی کا بیان درست ہے؟ بشر نے اعتراف کیا "جی ہاں درست ہے" حضرت عمر فاروق گھر کے اندر تشریف لے گئے اور اپنی تلوار نیام سے نکالی اور باہر آ کر بشر کی گردن اڑا دی یہ فیصلۂ نبوی کو تسلیم نہ کرنے کی سزا تھی (۷)۔ دراصل بشر کا یہ عمل بغاوت کے دائرے میں آ گیا۔ سورۃ النسا کی آیت ۶۵ بھی اسی خطبے کا حصہ ہے جو آیت ۵۹ سے شروع ہوا۔ آیات ۵۹ تا ۶۴ کا مطالعہ آپ کر چکے ہیں۔ اب آیت ۶۵ ملاحظہ ہے۔

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً ٥(۸)

"اے محمد ﷺ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ تمہیں اپنے تنازعات میں حکم اور فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، اور تمہارے فیصلے سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں اور فیصلے کو خوشی سے تسلیم کر لیں (بلا انحراف اور ذہنی تحفظات کے)"

اس نکتے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔ محمد ﷺ کے فیصلے کو شرح صدر کے ساتھ تسلیم کر لینا ہی ایمان ہے اور اس سلسلے میں تمام مسائل عقائد بھی شامل ہیں۔ تقریبات ہوں یا نزاعی مسائل، اعتقادات ہوں یا نظریات۔ ہر معاملے میں نبی کریم ﷺ کا فیصلہ اور آپ کا انداز زیست ہماری راہ کا تعین کرے گا، کیونکہ آپ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۹)

جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔

قرآن عظیم میں اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کا ذکر بالعموم ایک ساتھ آیا ہے اور جیسا کہ قرآن حکیم کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اسی لئے بھیجے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے، لیکن مرتبہ رسالت سے بے خبر لوگوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مطاع صرف اللہ تعالےٰ ہے اور رسول جو آسمانی پیغام لے کر آئے ہیں صرف ان کی اطاعت کی جائیگی۔ اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اس لئے مبعوث کئے گئے کہ وہ احکام الٰہی پر پوری کاملیت کے ساتھ عمل کر کے اہل ایمان کے سامنے نمونہ پیش کریں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ اقامت صلوٰۃ کی عملی شکل کیا ہے؟ روزے کے عمل تقاضے کیا ہیں؟ زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے گی اور حج کے مناسک اور ان کی ترتیب کیا ہے۔ سورۃ النور آیات ۵۱ اور ۵۲ سے رسول اللہ ﷺ کے مطاع ہونے کا مفہوم اور وسعت پوری طرح واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَہُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ط وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَ یَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفَآئِزُوْنَ o (۱۰)

"ایمان لانے والوں کی بات تو یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور رسول کی طرف بلایئے تا کہ رسول ان کے معاملے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا۔ اور ایسے ہی مومن فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو اللہ کی اطاعت کریں اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اللہ سے ڈریں تو ایسے لوگ مُراد کو پہنچنے والے ہیں"

سورۃ النسا کی جن آیات کی بنا پر اس سے پہلے گفتگو کی گئی ان کو النور کی ان دو آیات سے ملا کر اس معاملے پر غور فرمائیں تو اطاعتِ رسول کی بنیادی اہمیت واضح تر ہو جائے گی۔ اللہ کی اطاعت، اس دنیا میں رسول، ان کے فیصلوں کی اطاعت اور سنت کے اتباع کی صورت ہی میں متشکل ہو سکتی ہے۔

یہ رسول کا منصب ہے اور اس کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ ہمیں احکام الٰہی کے حقیقی مفہوم اور منشا سے آگاہ کریں۔ اللہ کے احکام پر عمل کس طرح کیا جائے؟ یہ بات بھی ہمیں نبی کے ذریعہ ہی معلوم ہوتی ہے۔ گزشتہ صفحات میں نماز اور روزے کے حوالے سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے۔ اس سلسلے میں زنا کی

سزا کا مسئلہ ہمارے سامنے آتا ہے اور یہ مسئلہ ہمیں حدود کے مفہوم کے تعین میں بھی مدد دیتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے زانی اور زانیہ کی سزا سو ڈرے بتائی ہے۔

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰـھَا وَفَرَضْنٰھَا وَاَنْزَلْنَا فِیْھَآ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ○ (۱۱)

"اس سورۃ کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم نے اسے فرض کیا ہے اور اس میں صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں، شاید تم یاد رکھو اور سبق حاصل کرو۔

اور اس تمہید بلند آہنگ کے بعد اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ زانی اور زانیہ، دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے جائیں۔ قرآن حکیم میں شادی شدہ یا غیر شادی شدہ کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے، مگر نبی اکرم ﷺ کے دور سے آج تک جہاں بھی شرعی نظام حدود و تعزیرات نافذ ہوئے غیر شادی شدہ مرد اور عورت کو اس جرم میں سو کوڑے مارے جاتے ہیں اور شادی شدہ افراد کو رجم کیا جاتا ہے یعنی سنگسار کر دیے جاتے ہیں۔

زنا نہایت سنگین اور مختلف معاشرتی و اخلاقی پہلو اور نتائج کا حامل جرم ہے اور معاشرے سے ذہنی سکون، نفسیاتی اعتماد اور رشتوں کی حرمت چھین لیتا ہے۔ لوگوں کا نسب مشکوک ہو جاتا ہے اور بے اعتمادی کی ایسی فضا معاشرے پر چھا جاتی ہے کہ باپ اپنی اولادوں کے بارے میں یقین کھو بیٹھتے ہیں شراب کی طرح زنا کے تعزیراتی احکام بھی تدریجاً نازل ہوئے۔ پہلے تو چار مردوں کی گواہی پر عورتوں کو گھروں میں اس وقت تک قید رکھنے کا حکم نازل ہوا جب تک کہ موت انہیں اٹھا لے یا اللہ تعالےٰ ان کے لئے کوئی اور صورت اور سزا مقرر کرے (۱۲)

اَوْیَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلاً سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آخری اور حتمی سزا نہیں تھی بلکہ اللہ تعالےٰ دوسری سزا پیش فرمانے والا تھا۔ یہ سزا (یعنی سو درے) سورۃ النور میں نازل ہوئی، لیکن حالت احصان (شادی ہونے کے بعد) میں جو لوگ اس جرم اور گناہ کے مرتکب ہوئے انہیں سرورِ کائنات اور ہادی اعظم نے رجم کی سزا دی۔ اسلام میں رجم کی سزا سنتِ ثابتہ اور احادیث مسلسل کی بنا پر دی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے دین کے سلسلے میں ہمیں جو حکم بھی دیا اس کا رشتہ حکمِ الٰہی اور وحی سے ہے کیونکہ سورہ النجم میں واضح طور پر یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ آپ اپنے جی سے کوئی بات نہیں کہتے۔ جو کہتے ہیں وہ وحی کی بنا

ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (۱۴)

اس علم اور وحی کے باوجود آپ نے بغیر شہادت کے کسی کو زنا کی سزا نہ دی۔ مدینہ منورہ کی ایک عورت اپنی بدکاری کی بنا پر معرف تھی، مگر اس کے خلاف مطلوبہ اور مقررہ شہادت نہیں تھی۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں واضح شہادتوں کے بغیر رجم کرنے والا ہوتا تو اس عورت کو رجم کرا دیتا"

یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری راہیں منور کر دیں اور اپنی مثال سے قیامت تک کے لئے اسلامی معاشرے میں بے گناہوں کی سزا کے امکانات کو معدوم فرما دیا۔ گواہی میں کوئی شبہ نہ ہو۔ فریقین کے چہرے ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو کر شناخت کر لئے جائیں۔ قرائن اور شہادتوں کو جرح کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ اور پھر قرآن حکیم نے بدکاری کی تہمت لگانے والوں کے لئے بھی سخت سزا مقرر کی۔

زنا کی سزا کے بارے میں اس مختصر گفتگو سے حضور ﷺ کے علوے مرتبہ کا یہ رُخ ہمارے سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے ربط اور علم حاصل کرنے کی بنا پر نبی اکرم ﷺ نے جس بات کو حرام قرار دیا وہ اللہ کی طرف سے حرام ہے اور آپ نے جو کچھ ہمارے لئے جائز اور حلال قرار دیا وہ اللہ کی طرف سے حلال ہے۔ زندگی کا کون سا شعبہ ایسا ہے جو آپ کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہو صرف تجارت اور بیع وشرا کو لے لیجئے کہ اس کی کتنی ہی صورتیں آپ کی اطاعت قبول کرنے والوں کے لئے جائز ہیں اور کتنی صورتوں سے آپ نے منع فرما دیا، کتے کی تجارت کو آپ نے ہمارے لیے ممنوع فرما دیا۔ شراب کی حرمت قرآن حکیم نے فرمائی، مگر شراب سے متعلق کتنے ہی مسائل سے ہادی اعظم نے مطلع فرمایا۔ صرف شراب کا پینا ہی حرام نہیں بلکہ شراب بنانا، شراب فروخت کرنا، شراب خریدنا، دوسروں کو شراب پلانا، جہاں شراب پی جا رہی ہو وہاں بیٹھ کر کھانا پینا۔ یہ سب مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔

تجارت کے استعارے اور محاورے کو قرآن حکیم نے بڑی عزت عطا کی ہے۔ ایمان کو خرید و فروخت کی اصطلاح کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کہ مسلمان جنت کے عوض اپنی جان اور مال کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔

تجارت حلال ہے تجارت میں بڑی برکت ہے مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان تاجر اپنے آقا اور مالک

ﷺ کے احکام اور فرمودات کی اطاعت کرے۔ پھلوں کی خرید و فروخت سے متعلق نبی اکرم ﷺ کے ارشادات اور احکام بہت جامع، بہت واضح ہیں اور اس تجارت کے کم و بیش تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیتے ہیں۔

حضور ﷺ نے پھلوں میں پختگی آنے سے پہلے پھلوں کے بیچنے اور خریدنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی مصلحت بہت واضح ہے آندھیوں، ژالہ باری اور طوفانوں سے فصل کو نقصان پہنچ سکتا ہے جسکے خریدنے والے کو نہایت نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اسی طرح کئی برسوں کے لئے باغوں کو ٹھیکے پر نہیں دیا جا سکتا کیونکہ فصل اور پھلوں کی پیداوار کے لئے کوئی پیش بینی ممکن نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے خرید و فروخت کو اسلام کے اخلاقی احکام کے تابع کر دیا۔ تجارت میں خریدنے والے اور بیچنے والے کے حقوق کو مساوی اہمیت دی گئی اور سب سے بڑی بات یہ کہ تجارت کو مسلم معاشرے کے نفع و نقصان و دیانت اور ہمہ گیر تقاضوں سے منسلک کر دیا گیا جس کا اندازہ درج ذیل نکات سے ہو سکے گا۔

۱۔ کسی ضرورت مند فرد یا تجارتی ادارے کا سامان اونے پونے داموں پر نہیں خریدا جا سکتا۔ یہ اس کی ضرورت اور مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے۔

۲۔ تاجر پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال کے عیب کو خریدنے والے پر ظاہر کر دے اور خریدنے والے کو دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا (۱۴)

''جو شخص دھوکہ دہی کرے اور ہم سے نہیں''

۳۔ خریدنے والے کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھا کر ناجائز منافع حاصل نہ کیا جائے۔

۴۔ بیچنے والے کے پاس جو سامان موجود نہ ہو اس کا سودا نہ کیا جائے۔

۵۔ لوگوں کی ضرورت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اشیا کی ذخیرہ اندوزی، بالخصوص اناج کی ذخیرہ اندوزی اسلام میں حرام اور ناجائز ہے

۶۔ سوداگروں کو جھوٹے دعوے کرنے اور جھوٹی قسمیں کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

ے نبی اکرم ﷺ نے اجارہ (کرایہ پر چیزیں دینے اور مزدوری) کے قواعد وضوابط بھی متعین فرمادیئے۔

یہ چند باتیں اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اگر ایک طرف اللہ تعالےٰ کے احکام کی تشریح فرمائی تو دوسری طرف آپ نے قوانین وضع فرمائے اور ان قوانین کا ماننا بھی ہم پر فرض ہے۔ اتباعِ رسول اور ایمان اسلام کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے۔

داعی اِلی اللہ اور سراجِ منیر

ہر رسول اور نبی اپنے فرائض کی انجام دہی اور منصب جلیلہ کے اعتبار سے بشیر بھی ہوتا ہے اور نذیر بھی۔ وہ وحی الٰہی کی روشنی میں وحی کا انکار اور وحی سے انحراف کرنے والوں کو ان کے عقائد اور اعمال کے عواقب سے ڈراتا ہے اور وحی الٰہی کا اتباع کرنے والوں کو خوش خبری سناتا ہے وہ اپنے پیغام کے حق ہونے کا شاہد ہوتا ہے۔ نبی اکرام ﷺ بھی دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام اجمعین کی طرح ان مراتب پر فائز ہیں مگر اس فرق کے ساتھ کہ آپ کی نبوت، رسالت، تبشیر، تنذیر اور شہادت آپ کے دور کے ساتھ ساتھ آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہیں کیونکہ آپ کے رب نے آپ کو رحمۃ للعالمین اور کافۃ للناس بنا کر بھیجا اور اس شان سے کہ آپ نے عبدیت کی ہر رفعت اور بلندی کو اپنے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اجاگر کر دیا۔ اس عبد کامل کو معراج حاصل ہوئی اور یہ عبد کامل خود انسانیت کی معراج بن گیا۔ یہ معراج ہی تو ہے کہ وہ انسانوں کا مطاع ہے اور اسکی اطاعت اہل ایمان کے ایمان کی کسوٹی ہے۔

ہر رسول اور نبی انسانوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے وحی اسی لئے بھیجی جاتی ہے کہ رسول اُسے انسانوں تک پہنچا دے۔ پھر آپ ﷺ کو رسول اور نبی کے ساتھ ساتھ داعی الی اللہ کیوں کہا گیا ہے؟ اس کی حکمت کیا ہے؟ ہمارے لئے اس کی کیا معنویت ہے؟ اب وہ مرحلہ آگیا ہے کہ ہم اس سوال پر غور کریں کہ داعی الی االلہ کے ساتھ آپ سراج منیر بھی ہیں۔ ان دونوں صفات کا یک دوسرے سے کیا رشتہ ہے؟

پچھلے صفحات میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ حضرت ختم الرسل ﷺ سے متعلق کسی آیت کا مطالعہ اس آیت سے پہلے اور بعد کی آیات کی روشنی میں ہی کیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم حد درجہ مربوط کتاب ہے لیکن ان کی ترتیب اور ربط انسانی کلام سے مختلف ہے۔ قرآن کریم خطبات کا مجموعہ ہے۔ مختلف

موضوعات یا ایک ہی موضوع کے مختلف پہلو ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہوکر قرآنِ حکیم میں ہمارے سامنے آتے جاتے ہیں ایک اور نکتے کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ اگرچہ قرآنِ حکیم کی تعلیمات اور آیات کی تفہیم اسبابِ نزول اور پسِ منظر کے تابع نہیں لیکن پسِ منظر سے تاریخی واقعات اور اسباب کا علم بہت سی آیات اور بعض سورتوں کی معنویت کو واضح تر کردیتا ہے ۔ انسانی معاشرے میں احوال وآثار اپنے آپ کو دہراتے ہیں جس ملک اور جس دور میں مسلمان ابتلا اور آزمائشوں سے گزر رہے ہوں ان کو مکی آیات سے صبر اور استقلال کی دولت حاصل ہوتی ہے، اور جہاں مسلمان برسرِ اقتدار ہوں انہیں مدنی سورتوں اور آیات سے اسلامی نظام قائم کرنے کے سلسلے میں رہنمائی حاصل ہوگی ۔

نبی اکرام ﷺ کو سورۃ الاحزاب میں داعی الی اللہ و سراج منیر کہا گیا ہے ۔

یٰـاَیُّھَـا النَّبِیُّ اِنَّـآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا o
وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا o(۱۵)

”اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد (گواہ) بشارت دینے والا اور نذیر (اعمالِ بد کے نتائج سے باخبر کرنے والا) اور اللہ کی اجازت سے اللہ کی طرف بلانے والا اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے“

ان دونوں آیات میں رسول اللہ ﷺ کے پانچ صفاتی نام ایک ساتھ آئے ہیں ۔ پانچ مراتب، پانچ فرائض ۔ ”شاہد“ ”منیر“ ”مبشر“ ”نذیر“ داعی الی اللہ اور سراج منیر سورۂ احزاب ایک ایسے زمانے میں نازل ہوئی جو آزمائش کا زمانہ تھا ۔ غزوہ احد کے بعد مشرکین مکہ کے حوصلے بلند ہوگئے تھے بدلتے ہوئے حالات میں یہودی و منافقین مدینہ نئی سازشوں میں مصروف ہوئے تھے ۔

غزوہ احد کے بعد کفر کی شرانگیزیاں ایک تسلسل کے ساتھ نظر آتی ہیں ۔ ایک واقعے کے جلو میں دوسرا واقعہ اُبھرتا ہوا ۔ اور ان واقعات کی نوعیتیں بھی مختلف تھیں ۔ ہر محاذ پر اسلام، رسولِ اسلام ﷺ اور مسلمانوں کو کچلنے کے خواب اور سازشیں ۔ کفر کی طاقتیں یک جا ہونے لگیں تاکہ اللہ کے دین کو مٹا دیا جائے ۔ نجد کے قبیلہ بنی اسد کی ہمتوں کا یہ عالم کہ وہ مدینہ طیبہ پر یلغار کرنے کی تیاریاں کرنے لگے ۔ عضل اور قارہ کے قبائل نے نبی اکرم ﷺ سے چند مبلغوں اور علما کے بھیجنے کی درخواست کی اور پھر قبیلہ ھذیل کو شامل

Alsera.T

سازش کر کے چھ اصحابِ رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا اور دو صحابیوں کو غلام بنا کر مکہ معظمہ میں اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ بیچ دیا گیا۔ اس سے بھی شدید تر معاملہ اس تبلیغی جماعت کے ساتھ پیش آیا جسے بنی عامر کی درخواست پر نجد کی طرف روانہ کیا گیا۔ یہ جماعت بیر معونہ کے مقام پر پہنچی تھی کہ بنی سلیم کے قبائل نے ان پر بے دردانہ یلغار کی اور ان چالیس قدسی نفس انسانوں کو شہید کر دیا جن کے سینے ایمان کے خزانے تھے، جن کے ذہنوں میں قرآن محفوظ تھا اور جو ہدایت اور سعادت کے نمونے تھے۔ ادھر مدینہ منورہ میں بنی نضیر کے یہودیوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی۔

سازشوں، مدینہ کی اسلامی ریاست کے خلاف کفر کی طاقتوں کا اجتماع، جھڑپیں۔ اس سلسلہ کے بہت سے واقعات سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔ اسی پس منظر میں بغض۔ عداوت، جھوٹ اور پروپگنڈ کے ان طوفانوں اور آندھیوں کا اضافہ کیجئے جو حضرت زینب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے نکاح کے نتیجے میں فضا کو آلودہ اور زہرناک بنا رہی تھیں ۔ حضرت زینب کے ساتھ حضور کی مرتبت کا نکاح حکمتِ خداوندی کا ایک نقش جلیل ہے جس کا مقصد تبنیت کے تقدس، حرمت اور تصور کو مٹا دینا تھا اور حضور فرمانِ الٰہی کی وجہ سے نکاح پر مجبور؟" تھے۔ (۱۴)

سورۃ الاحزاب اس پس منظر میں نازل ہوئی۔" دونوں سورتیں حضرت نبی کریم ﷺ کی محبوبیت اور مقامِ بلند کی دستاویزیں ہیں۔ ویسے تو کتابِ عظیم میں نبی اکرم ﷺ کا تذکرہ، آپ سے خطاب اور آپ کے مقامِ بلند کی نشان دہی کہاں نہیں ہے لیکن سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ الاحزاب تو رب کریم کے حرفِ تسلی کا درجہ رکھتے ہیں۔ نبی اکرام ﷺ کو معراج عام الحزن کے بعد حاصل ہوئی۔ جب دنیا والوں کی نظر میں رسول اللہ ﷺ تنہا رہ گئے تھے، اپنے شفیق چچا سے محروم ہو گئے تھے جو آپ ﷺ کے لیے ایک مضبیل تحفظ کا درجہ رکھتے تھے، اور وہ عظیم رفیقۂ حیات آپ سے رخصت ہو گئی تھیں جنہوں نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی تھی اور جو سب سے پہلے اسلام لائی تھیں، ان کی رفاقت آپ لئے زندگی کی راحت تھی اس وقت آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو اپنی قربت اور رفاقت کی چادر میں لپٹ لیا آپ کے لئے وقت ٹھر گیا، لاکھوں بلکہ کروڑوں میل کی مسافت فاصلہ یک گام بن گئی آپ کو معراج ملی تو ایسے کہ آپ کی امت کو بھی نماز کی صورت میں معراج عطا کی گئی۔ سورۂ بنی اسرائیل یہی صداقتیں اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ اسی طرح سورۂ الاحزاب میں بیان کردہ حالات کے پس منظر میں رب

Alsera.T

محمد ﷺ نے اپنے رسول کو حرفِ تسلی سے نوازا آپ ﷺ کے مراتب کو ایک بار بڑی قوت کے ساتھ مشرکین و کفار کے سامنے پیش فرمایا۔ اور اس میں مومنوں کے لئے بھی ثبات او ر ایمان کو مضبوط تر کرنے کے پہلو تھے۔ ہم آنے والی سطور میں سورۃ الاحزاب کا قدرے مفصل مطالعہ پیش کریں گے تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ شاہد، مبشر اور نذیر کی صفات کا داعی الی اللہ اور سراج منیر کے ساتھ کیا اور کیسا معنوی رشتہ اور تعلق ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے واقعات نے کس طرح مسلم معاشرے کے قوانین کی شیرازہ بندی کی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو جو سماجی اور معاشرتی قوانین عطا کے ہیں ان کا رشتہ نبی اکرام ﷺ کے مرتبے، آپ کی زندگی اور ازواج مطہرات کے مرتبہ عالیہ سے بہت گہرا ہے۔ الاحزاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

یآ اَیھاَ النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ (۱۷)

نبی اکرام ﷺ سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ ان ﷺ سے بڑھ کر اللہ پر تکیہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ یہ تخاطب آپ ﷺ کے حوالے سے جماعت مومنین سے ہے۔ یہاں ڈر اور خوف کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس میں اللہ پر اعتماد اور توکل بھی شامل ہے کیونکہ اللہ پر توکل کی کمی مومن کو، کفار سے اور ان کی قوت سے کسی حد تک خوف زدہ کر سکتی ہے سورۃ الاحزاب کے آغاز نے مسلمانوں میں اس ایمان کو پختہ تر کر دیا ہے کہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور صاحب حکمت ہے، پس اس کے احکام کی پابندی کرو اور نتائج کو اس کے سپرد کر دو۔

اس ابتدائی یقین دہانی کے بعد تبنیت کا مسئلہ پیش فرمایا گیا حضرت زید رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے اور حضرت زینب ان کی بیوی تھیں۔

حضرت زید کی مطلقہ بیوی سے اللہ تعالےٰ نے نبی اکرم ﷺ کو نکاح کا حکم دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منہ بولے رشتے کی حُرمت کو ختم کرنے کے لئے عملِ رسول لازم تھا۔ قرآن کریم کی آیات کے ذریعہ اس رشتہ کی حرمت اور تقدس پوری طرح مسلمانوں کے ذہن سے ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ متبنیٰ بیٹے (بیٹی بھی) کے رشتے کو حقیقی رشتے کو مستحکم کرنے کے لئے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا اور اس کے متعلق اہلِ ایمان سے فرمایا گیا۔

النبی اولیٰ بالمئو مینینَ مِنْ اَنْفُسِھُم وَ آزوَاجُہٗ اُمّھٰتُھُمْ (۱۸)

''ایمان والوں کو نبی ﷺ اپنی جانوں سے زیادہ عزیز اور قریب ہیں، اور نبی ﷺ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں''

کلام ربانی کی معنویت، زندگی سے اس کے رشتے اور ہمارے معاملات میں اس کی رہنمائی پر تو غور کیجئے ۔ایک طرف غیر حقیقی رشتوں کی نفی کی گئی اور دوسری طرف ازاوج مطہرات کو مسلمانوں کی مائیں قرار دیا جا رہا ہے ۔ یہ دراصل نبی اور ازواج نبی ﷺ اور افراد اُمت کے تعلق کا بیان ہے تکریم و تعظیم کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ ہمارے والدین سے افضل ہیں اور آج بھی مسلمان سچے دل سے کہتا ہے کہ فداہٗ ابی وامی ۔ اور آپ کی ازواج ہمارے لئے ماؤں سے زیادہ واجب التعظیم ہیں ۔ تعظیم بھی اس وجہ کی کہ مسلمانوں پر نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بھی ان کی ازواج سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکاح حرام قرار دے دیا گیا ۔ ساتھ ہی قرآن عظیم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس رشتہ اور احترام کا کوئی تعلق احکام میراث سے نہیں ہے ۔

ربط آیات کو سمجھنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہم کسی سورت کے مرکزی موضوع کا تعین کر لیں ۔ جب کہ عرض کر کیا گیا کہ سورۂ احزاب کا موضوع نبی اکرم ﷺ کے مراتب عالیہ کا بیان ہے نبی اکرم ﷺ مومنوں کو اپنے نفس اور جان سے زیادہ عزیز تھے، اس حقیقت کے بیان کے بعد میثاق انبیاء کا ذکر کیا گیا ۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (۱۹)

''اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد اور میثاق لیا اور آپ سے اور نوحؑ سے اور ابراہیمؑ سے اور مریم کے بیٹے عیسٰیؑ سے تو ہم نے ان سے مضبوط عہد و میثاق لیا ۔ تا کہ اللہ سچوں سے ان کے سچ کو معلوم کرے (اور) اس کی تصدیق کرے اور ہم نے منکروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

اللہ تعالےٰ نے انبیائے کرام سے عہد لیا تھا کہ وہ اپنے فرائض نبوت مکمل یکسوئی اور تکمیل سے ساتھ ادا کریں گے، ایک دوسرے کی تصدیق کریں گیا اور ایک دوسرے کا زمانہ پانے کی صورت میں

ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔اور تمام انسانوں کی روحوں سے بندگی کا عہد لیا گیا تھا۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَ اَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ط قَالُوْا بَلٰی ج شَھِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ o اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْ بَعْدِھِمْ ج اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ o وکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ و لعلھم یرجعون (۲۰)۔

”(اے نبی ﷺ لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسلوں کو نکالا تھا اور انہیں خود ان پر گواہ بنا کر سوال کیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں“ اور انہوں نے جواب دیا تھا” بیشک (آپ ہمارے رب ہیں)“ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں“ (ہم نے اس لئے کیا تھا کہ) تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ تم اس بات سے بے خبر تھے یا یہ نہ کہہ دو کہ شرک (کا آغاز تو ہمارے آبا واجداد نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد کی نسل ہیں تو کیا آپ ہمیں اس جرم کی سزا میں ہلاک کردیں گے جو گمراہوں نے کیا تھا۔ اور اس طرح ہم آیات (اور نشانیاں) کھول کر پیش کرتے ہیں کہ لوگ پلٹ آئیں“

اس میثاق ازل سے تخلیق آدم و کائنات کا ایک عجیب پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے جو انسان اور کائنات کی تخلیق کے سلسلے کی حیرتوں کو ہم پر واضح کرتا ہے۔اللہ نے سارے انسانوں کو ابتدائے آفرینش میں پیدا کیا۔ یہ وہ سارے انسان جنہیں قیامت تک پیدا ہونا ہے اور یہ آنے والی نسلیں روح اور اجسام کے ذرات ترکیبی کا امتزاج تھیں۔ تخلیق آدم کا لطیف نکتہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کو جس طرح ہمارے ذہنوں میں بٹھاتا ہے کسی اور طرح ممکن نہیں اور اس کو سمجھنے والے ہی ”حیرت خانہ امروز و فردا“ کو ہی نہیں بلکہ تخلیق کے تمام نکات کو سمجھ سکتے ہیں یہ کہکشائیں، یہ لاتعداد سورج، چاند، کرے اور عالم، یہ لامتناہی فضائے بسیط۔ (۱۲)

میثاق انبیا کے بعد ہم نے روحوں کے میثاق ازل کا ذکر کیا تاکہ تخلیق اور سلسلہ تخلیق کی تصویر

نظروں کے سامنے آجائے۔ عام میثاق کے ساتھ ہی تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے فرائض نبوت کی انجام دہی کے سلسلے میں میثاق لیا گیا قرآن حکیم نے اس سلسلے میں پانچ نبیوں کا نام لے کر ذکر کیا ہے۔ یہ انکا اکرام اور اعزاز ہے اور حضور ﷺ کا ذکر (منک) حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے پہلے کیا گیا یہاں تاریخی ترتیب برقرار نہیں رکھی گئی ہے۔ یہ ہر زمانے اور ساری انسانیت کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علوئے مرتبہ کا ربانی اظہار ہے، اور اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حضورت نبی اکرم ﷺ تخلیق میں بھی زمانی تقدم کے مالک ہیں۔ یہ بحث مقدمہ کتاب (مقام محمد ﷺ۔ حدیث کی روشنی میں (۲۲) آچکی ہے۔

كُنْتُ اول َالنَّاسِ فِي الخَلَقِ وَ اٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ ۔(۲۳)

میں تخلیق میں سب انسانوں میں سے پہلا ہوں اور بعثت ونبوت میں آخری

سورۃ الاحزاب کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں (آیت ۹ سے آیت ۲۷ تک) اللہ نے غزوۂ خندق کی تفصلات اس طور پر پیش کی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے شاہد، مبشر اور نذیر ہونے کی وضاحت ہو جاتی ہے اور سارے پہلو اور گوشے نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔ کفار کے لشکروں کی یلغار کا یہ عالم تھا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور دل حلق میں دھڑکنے لگے۔ منافقوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وعدوں کو فریب قرار دیا اور اہل عرب یثرب سے کہا "لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا۔" تمہارے لئے کوئی ٹھکانا نہیں۔ لوٹ چلو" اور منافقوں کے جھوٹے عذر اور حیلوں کے دفتر کھل گئے۔

اس صورت حال نے نبی اکرم ﷺ کو "شاہد" و "مبشر" اور "نذیر" کے طور پر پیش کیا۔ آپ ہر شخص کے ارادوں اور ہر واقعے کے گواہ تھے۔ منافقوں کا نفاق اور جھوٹ آپ کے سامنے آپ کے اللہ نے کھلی کتاب کی طرح پیش کردیا اور یہ حقیقت سامنے آگئی کہ جو اللہ اور رسول کے وعدوں اور بشارتوں پر پورا یقین رکھے اور آزمائش کی گھڑی میں ثابت قدم رہے وہی مومن اور جو حیلہ، کاہلی اور کام چوری کو اپنائے وہ منافق ہے۔ ان منافقوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے، مگر فرار پر آمادہ ہوگئے۔ نذیر مبین ﷺ کے ذریعہ اللہ انہیں یہ "ڈراوا" (تنذیر) سنا رہا ہے کہ "اے رسول کہہ دو کہ اس فرار سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اگر تم نے موت یا قتل ہونے کے خوف سے راہِ فرار اختیار کی تو اس کے بعد (زندگی اور عیش کی مہلت کم ملے گی۔ کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے" (۲۴)

اور دوسری طرف اہل ایمان کے سینے یقین اور ایمان کے سورج کا مطلع تھے۔ وہ تو جیسے اس امتحان کے منتظر تھے انہیں تو اسی ساعت سعید کا انتظار تھا جب انہیں اپنے عہد وفا کو پورا کرنے کا موقع ملے اور جب اللہ تعالٰی ان کے صدق، سچائی اور وفاداری کی جزا انہیں عطا فرمائے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ
صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ۝ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى
نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (۲۵)

اور جب مومنوں نے (کفر کی اتحادی) فوجیں دیکھیں تو کہا یہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے اپنا (وعدہ) سچ کر دکھایا (اور اس لشکر کشی نے) ان کے ایمان اور اطاعت و تسلیم میں اضافہ کر دیا"

یہ ہے رسول ﷺ کی شہادت، تنذیر اور تبشیر کا اثر منافقون اور مومنوں پر۔ رسول کی شہادت بے خطا اور معتبر ہے۔ منافقوں کی نفسی کیفیت، اور روحانی خوف، اندیشہ موت اور اس کے تحت جہاد سے بیزاری۔ مومنوں کا کفار کے لشکر جرار کو دیکھ کر اللہ اور رسول کے وعدوں پر بڑھتا ہوا یقین۔ اور یہ سارا منظر نامہ کس لئے مرتب ہوا تھا؟ اگلی ہی آیت یعنی ۲۴ویں آیت میں اس کا سبب پیش کر دیا گیا ہے۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ
عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (۲۶)

"(اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ صادقوں کو ان کے صدق اور سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو عذاب دے اور چاہے تو ان پر توبہ ڈال دے (اور ان پر رجوع کر لے) بیشک اللہ بڑا مغفرت والا اور رحیم ہے"

اور ان آیات سے پہلے رب جلال کا یہ اعلان نظر آتا ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۲۷)

"بیشک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے"

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ان کی تبشیر اور ان کی تنذیر سے مومنوں کی راہیں

منورہوتی ہیں اورقیامت تک منورہوتی رہیں گی، ان کے اعمال کی تقلید ہی نجاتِ ابدی کا راستہ ہے۔اس طرح رسول اللہ نے جماعت مومنین کواللہ کی طرف بلایا، ان کے یقین اورایمان میں اضافہ فرمایا اور آپ کو داعی الی اللہ او رسراج منیر کہہ کرآپ کی دائمی دعوتِ حق اورآپ کے راستے کی ابدی صداقت اورروشنی کی توثیق فرمادی۔

داعی اِلی اللہ کے ساتھ باذنہٖ کاٹکڑا اپنے اندرمفاہم ومطالب کی دنیا ئیں سمیٹے ہوئے ہے۔ہر نبی اللہ کی طرف اس کے اذن ہی سے بلاتا ہے مگرنبی اکرم صلی اللہ وسلم کے لئے باذنہٖ میں۔معانی کے کتنے پہلوموجود ہیں اللہ کے اذن میں یہ بات بھی موجود ہے کہ ربِ کائنات نے رسولِ کائنات ﷺ کواس منصب عالی اوراس مرتبہ دوامی سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیسے وسائل اورکیسے لوازم اورکیسے مرتبوں سے نوازا۔آپ آنے والے ہردورکے داعی ہیں اسی لئے آپ کوقرآن حکیم عطا کیا گیا۔بڑی حکمت، بڑی قوت بڑی عظمت، بڑے شرف ومنزلت کی کتاب۔وہ کتاب جوقیامت تک آپ کی بشارتوں اور ڈراوے کو انسانوں تک پہنچاتی رہے گی۔اوریہ تبشیر وتنذیر آپ کی شہادت کے ساتھ وابستہ ہے شہادت کے معانی اور امکانات اپنے مقام پرپیش کئے جاچکے ہیں۔

داعی الی اللہ باذنہٖ میں دعوت کے راستے کی مشکلوں، رکاوٹوں، آزمائشوں اورمزاحمتوں کے ساری حقائق بھی آگئے ہیں۔یہ دعوت اللہ کی استعانت، اجازت اورحکم کے بغیرنہیں دی جاسکتی تھی۔انسان تو انسان، یوں محسوس ہوتا تھا کہ مکۂ معظمہ کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کا دشمن ہوگیا ہے اوردشمنی وظلمات کے اس ریگ زار میں اللہ کے حکم سے استقامت ورحمت کے چشمے پھوٹ نکلے اورذاتِ محمدی کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگیوں کوسیراب کرگئے۔

پھراندھیروں میں گھرے ہوئے ظلمت پرستوں کوبتایا گیا کہ ہمارا رسول شاہد، بشیرونذیر، داعی اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ سراج منیر" بھی ہے۔روشن چراغ۔بعض مفسرین نے یہاں سراج منیر سے مراد قرآن عظیم لیاہے، لیکن کلام کی ترتیب اورصفات کے تسلسل پرادنیٰ تامل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ صفت بھی حضرت ختم الرسل محمد مصطفےٰ ﷺ ہی کی ہے۔اور"سراج"محض چراغ نہیں بلکہ سراج سورج کو بھی کہتے ہیں۔یہ لفظ سورج کے معنی میں قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًاO(۲۸)

''اوران (آسمانوں) میں چاند کونور اور سورج کو چراغ بنایا

سورج کو تو ''سراج'' کہا گیا اور نبی اکرم ﷺ کو سراج منیر۔ سورج تو طلوع و غروب کے مرحلوں سے گزرتا ہے لیکن یہ سراج منیر تا قیام قیامت افق ہدایت وزیست وتاریخ پر روشن رہے گا سورۃ الاحزاب کی اسی آیت سے بعض مفسرین وفقہانے انبیائے کرام علیہم السلام اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی حیات فی القبر پر استدلال کیا ہے۔

داعی الی اللہ اور سراج منیر کے باہمی تعلق کو واضح کرتے ہوئے حضرت قاضی ثناءاللہ صاحبؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ آپ ﷺ کی صفت داعی الی اللہ تو ظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے اور سراج منیر کی آپ کی صفت آپ ﷺ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح سارا عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام مومنوں کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں اسی لئے صحابہ کرام جنہوں نے اس عالم میں آپ کی صحبت پائی وہ ساری امت سے افضل واعلیٰ قرار پائے کیونکہ ان کے قلوب نے قلب نبی کریم ﷺ سے بلاواسطہ عیاناً فیض اور نور حاصل کیا۔(۲۹)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورۂ رعد، آیت ۷

۲۔ سورۃ النساء آیت ۱۶۴

۳۔ ایضاً، آیت ۵۹

۴۔ ایضاً،

۵۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ، رقم الحدیث ۱۸۳۴۔

۶۔ سورۂ نساء، آیت ۶۰ تا ۶۳۔

۷۔ آلوسی، روح المعانی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۵ء، ۵/۶۷،

۸۔ سورۂ نساء آیت ۶۵۔

۹۔ ایضاً، آیت ۸۰۔

۱۰۔ سورۂ نور آیت ۵۱۔۵۲۔

۱۱۔ ایضاً، آیت ۱

۱۲۔ سورۂ نساء آیت ۱۵۔۱۶

۱۳۔ سورۂ نجم، آیت ۳،۴

۱۴۔ سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ الغش فی البیوع، رقم الحدیث، ۱۳۱۹،

۱۵۔ سورۂ احزاب، آیت ۴۵، ۴۶۔

۱۶۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، راقم الحروف کی کتاب، "حیاتِ محمدی ﷺ، قرآن حکیم کے آئینے میں" دادا بھائی فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۰۔۱۷۱۔

۱۷۔ سورۃ احزاب آیت ۱۔

۱۸۔ ایضاً، آیت ۶۔

۱۹۔ ایضاً، آیت ۸۔

۲۰۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۷۲۔۱۷۳۔

۲۱۔ بعض مفسرین کے نزدیک عہد الست سے مراد عبدیت اور بندگی کا وہ داعیہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے، معبود کے سامنے سر جھکانا انسان کے عناصر ترکیبی میں شامل ہے، ان کے نزدیک یہ میثاق تمثیلی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۲۲۔ ششماہی السیرہ عالمی، شمارہ ۱۔

۲۳۔ طبقات ابن سعد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء، ۱/۱۱۹۔

۲۴۔ سورۃ احزاب، آیت ۱۶۔۱۷۔

۲۵۔ ایضاً، آیت ۲۲۔۲۳۔

۲۶۔ ایضاً آیت ۲۴۔

۲۷۔ ایضاً آیت ۲۱،

۲۸۔ سورۂ نوح، آیت ۱۶۔

۲۹۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ہفتم، ص ۱۷۷۔